بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شہیدِ ملت علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ

از قلم مفتی محمد عبید اللہ خاں عفیف — مبعوث دار الافتاء ریاض

مقدور ہیں ہو تو خاک سے پوچھوں اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کئے !!!

سراپا

لامبی قد و قامت، بھاری بھرکم جسامت، گوری چٹی رنگت، کتابی چہرہ فراخ جبین، تیکھی اور اونچی ناک، موٹی مہیب آنکھیں جن پر ڈارک کلر کا چشمہ سجا ہوا، سیاہ بال، قراقلی کی اونچی دیوار کی شتری ٹوپی، پاؤں میں چمک دار پاپوش — وضع قطع کے سجیلے، لباس کے اجلے — شخصیت میں وجاہت، زبان میں سلاست، گفتار میں رزانت — آواز میں گھن گرج — دین کے عالمِ نبیل، عالمِ اسلام کے بلبلِ جلیل — ملی تقاضوں کے نبض شناس، فرق و ادیان کے غواص — مذہب و ملت کے فدائی، کتاب و سنت کے شیدائی — بے باک اور بے مثال خطیب۔ عالمی شہرت یافتہ مصنف اور ادیب — قافلہ حق کے سالار، مسلک اہلحدیث کے علمبردار — اور بقول آغا عبدالکریم شورش مرحوم:

"فارسی جس کی لونڈی۔ عربی جس کے ہاتھ کی گھڑی۔ اردو ہاتھ کی چھڑی۔ پنجابی جیب کی گھڑی اور انگلش ہاتھ باندھ کے کھڑی — سیاست کا مردِ میدان، خطابت کا شہسوار، قلم و قرطاس کا حکمران، علم و ادب کا ساہوکار — جس کی آواز میں شیر کی گرج، جسم میں چیتے کی لپک، عقابی بصارت، پختہ بصیرت، جس کی جوانی میں بوڑھوں کی اصابت رائے"

یہ تھے جمعیت اہل حدیث پاکستان کے بانی اور ناظمِ اعلیٰ جناب علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ

جن کو ایک سوچے سمجھے مگر بزدلانہ منصوبہ کے تحت ۲۳ اور ۲۴ مارچ ۱۹۸۷ء کی درمیانی شب کو ساڑھے گیارہ بجے قلعہ لچھمن سنگھ کے فوارہ چوک میں بم کے خونچکاں اور ہولناک دھماکہ کے ساتھ اس وقت شدید زخمی کر دیا گیا، جب وہ اپنے مخلص رفقار کار یعنی شہباز خطابت مولانا حبیب الرحمان یزدانی شہید۔ تاریخ اہلحدیث کے سکالر، بالغ نظر اہلحدیث عالم اور راقم کے چونتیس سالہ رفیق محترم عبدالخالق قدوسی شہید اور اہلحدیث یوتھ فورس کے صدر، نوجوان اہلحدیث لیڈر اور میرے برخوردار محمد خاں نجیب شہید کی معیت میں سیرت النبیؐ کے جلسہ سے خطاب فرما رہے تھے! —— یہ دھماکہ کیا ہوا، ایک قیامتِ صغریٰ بپا ہوگئی —— چشم زدن میں چاروں طرف دھواں ہی دھواں تھا —— بے گناہ انسانوں کا خون ہی خون تھا —— ایک سو سے زائد افراد زخمی ہوئے۔ اور اہل حدیث قیادت خاک و خون میں تڑپ کر رہ گئی —— انا للہ وانا الیہ راجعون

؎ روش روش، چمن چمن، اِدھر لہو اُدھر لہو
میں کیا کہوں یہ حادثہ کہاں کہاں گزر گیا

ولادت اور خاندان

سیالکوٹ شہر بڑی بڑی جغادری اور انقلابی شخصیتوں کا مولد و مسکن رہ چکا ہے۔ علامہ عبدالحکیم المتوفیٰ ۱۰۶۷، علامہ اقبال المتوفیٰ ۱۹۳۸ء اور مولانا ابراہیم میر المتوفیٰ ۱۳۷۵ھ اسی شہر کے نامور سپوت تھے۔ علامہ شہیدؒ اسی مردم خیز شہر کی شیخ برادری کے مشہور سیٹھی خاندان میں ۱۹۴۰ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدِ بزرگوار حاجی ظہور الٰہی حفظہ اللہ سخت سلفی العقیدہ اور مخیر بزرگ ہیں۔ مسلک اہل حدیث کی نشر و ترویج میں بڑے مستعد واقع ہوئے ہیں تقبل اللہ مساعیہ الجمیلۃ۔

تعلیم اور رسوخ علمی

والد بزرگوار نے اپنے اس ہونہار برخوردار کو کسی اسکول میں کوئی تعلیم نہیں دلائی پہلے قرآن مجید حفظ کرایا، پھر دینی تعلیم کے لیے گوجرانوالہ کے مشہور مدرسہ جامعہ اسلامیہ میں داخل کرا دیا۔ تاہم کھانا سیالکوٹ سے فراہم کرتے رہے۔ شیخ الحدیث مولانا ابوالبرکات

مدظلہ سی حفظہ اللہ سے صحیح بخاری پڑھ کر سندِ فراغت حاصل کرنے کے بعد تکمیلِ علم کے لیے جامعہ سلفیہ چلے آئے۔ وہاں مشہور معقولی عالم اور استاذی المکرم جناب شریف اللہ خاں المتوفیٰ (۱۹۷۹) اور شیخ الحدیث حافظ عبد اللہ المحدث بڈھیمالوی المتوفیٰ ۱۴۰۵ھ ایسے لائق ترین اساتذہ سے کسبِ فیض کیا۔

مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ

جامعہ سلفیہ سے سندِ تکمیل حاصل کرنے بعد دینی علوم کی اعلیٰ ترین ڈگری کے حصول کے لیے ۱۹۶۳ء میں مدینہ منورہ کی بین الاقوامی یونیورسٹی الجامعۃ الاسلامیہ میں داخلہ لیا۔ وہاں چار سال تک الشیخ شنقیطی، امام العصر الحافظ محمد المحدّث گوندلوی المتوفیٰ ۱۴ رمضان ۱۴۰۵ھ اور دوسرے علمار حدیث و تفسیر سے کسبِ کمال کیا۔ ۱۹۶۷ء کو شہادہ عالمیہ حاصل کرکے وطن واپس آئے، تو علم و فضل اور فکر و نظر کا بحر بے کنار بن کر لوٹے۔ ذہانت و فطانت کا یہ عالم تھا کہ تفسیر، اصولِ تفسیر، حدیث، اصولِ حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، میراث، معانی و بیان، منطق و فلسفہ، ادبِ عربی قدیم و جدید، جملہ فنون کے علاوہ بڑے بڑے عربی شعرار کا کلام سب کچھ آپ کے سینے میں محفوظ تھا۔ جامعہ سلفیہ اور مدینہ یونیورسٹی کی شہادتِ عالیہ کے علاوہ آپ ایم۔ اے، اردو۔ ایم اے، فارسی۔ ایم اے، اسلامیات۔ ایم اے، سیاسیات ایم اے فلسفہ اور ایم۔ او۔ ایل (فاضل) بھی تھے۔ ان کی ذہانت و فطانت اور علمی رسوخ کا یہ عالم تھا کہ مدینہ یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم ہوتے ہوئے اپنے فاضل شیوخ کو قادیانیت پر لیکچر دیتے رہے۔ پھر جب ان کی فرمائش پر اپنی پہلی مشہور کتاب "القادیانیت" مکمل کرکے اشاعت کے لیے بھیجی، تو اس ادارے کے مدیر نے کتاب کا مطالعہ کرکے رائے دی کہ اگر مصنف کے نام کے ساتھ فاضل مدینہ یونیورسٹی کے الفاظ لکھ دیے جائیں تو ان کی کتاب کو چار چاند لگ جائیں گے۔ علامہؒ نے کہا کہ میں اپنے آپ کو فاضل مدینہ یونیورسٹی کیسے لکھ سکتا ہوں کہ میں تو ابھی زیرِ تعلیم ہوں۔ جب یہ بات وائس چانسلر فضیلۃ الشیخ عبد العزیز بن باز حفظہ اللہ تک پہنچی تو انہوں نے یونیورسٹی کی گورننگ کمیٹی سے مشورہ کرکے اس کی اجازت دے دی۔ علامہ نے کہا کہ "جناب الشیخ اگر میں امتحان میں فیل ہو گیا، تو آپ کی اس اعلیٰ ڈگری کا کیا بنے گا" فضیلۃ الشیخ نے فرمایا "پھر ہم یونیورسٹی بند کر دیں گے"۔

بہرحال جب امتحان ہوا تو علامہ شہید نے امتیاز کے ساتھ امتحان پاس کیا۔

تلک آثارنا تدل علینا
فانظروا بعدنا الی الآثار

وطن واپسی اور مسجد چینیانوالی

۱۹۶۷ء کو دیارِ حبیبؐ سے اعلیٰ ڈگری حاصل کر کے وطن لوٹے تو مولانا محمد اسماعیل سلفی ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیۃ اہل حدیث پاکستان نے یکم ستمبر ۱۹۶۷ء کو مسجد چینیانوالی کے منبر و محراب کا وارث بنا دیا۔ یہ وہی مشہور ہسٹاریکل مسجد ہے، جو سکھ اور انگریزی استعمار کے خلاف ہندوستان میں پہلی اسلامی تحریک المعروف وہابی تحریک کا پنجاب میں مرکز رہ چکی ہے۔ اس تحریک کے ایک نامور قائد اور امیر مولانا عبدالرحیم (مگر سیاسی نام مولوی بشیر شہیدؒ) اسی مسجد نے پیدا کئے تھے۔ ہاں یہ وہی مسجد ہے، جہاں ترجمان اہلحدیث مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی المتوفی ۱۳۳۸ھ ولی کامل سید عبدالواحد غزنوی المتوفی ۱۳۴۹ھ، بطل حریت مولانا سید محمد داؤد غزنوی المتوفی ۱۳۸۲ھ مولانا علی محمد صمصام المتوفی ۱۹۷۸ء، اور مولانا محمد اسحاق رحمانی گوہڑوی المتوفی ۱۹۶۷ء اپنے دورِ خطابت میں شرک و بدعت اور تقلید و جمود کے رسیا ماحول کو خالص کتاب و سنّت کا خوگر بنانے میں کوشاں رہے۔ شکر اللہ مساعیھم الجمیلۃ

علامہ شہید سے میری ملاقات

علامہ شہید سے میری پہلی ملاقات ۱۹۶۸ء میں سالانہ اہل حدیث کانفرنس کے موقعہ پر موچی دروازہ لاہور میں ہوئی۔ قدوسی شہید نے میرا تعارف کرایا، تو فرمایا "کیا یہ وہی مولوی عبیداللہ عفیف ہیں، جو الاعتصام میں لکھتے ہیں؟" تو قدوسی شہیدؒ نے کہا، جی یہ وہی ہیں" کہا غائبانہ تعارف تو پہلے بھی تھا۔ خوشی کی بات ہے کہ آج ملاقات ہو گئی" یہ ملاقات بڑی مختصر تھی۔ پھر دوسری ملاقات اس وقت ہوئی جب مجھے فروری ۱۹۶۹ء کو جامعہ سلفیہ تدریس کے سلسلہ میں لاہور آنا ہوا۔ اب کے بھی قدوسیؒ کے ہاں قیام کیا۔ جب انہیں میرے لاہور آنے کا مدعا معلوم ہوا، تو کہنے لگے، آپ جامعہ سلفیہ کو چھوڑیں۔ مسجد چینیانوالی کی تدریس آپ کے لیے زیادہ مفید ہے۔ پھر وہ مجھے علامہ صاحب کے پاس لے آئے۔ اور یوں چینیانوالی

میں میری تقرری عمل میں آئی۔ درمیان میں تین سال کی فرقت کے علاوہ آج تک اسی مسجد میں مشغولِ تدریس ہوں۔ الحمد للہ تعالیٰ تقریباً پندرہ دفعہ صحیح بخاری پڑھانے کا شرف حاصل کر چکا ہوں۔ وہ دونوں تو اللہ کی راہ میں شہید ہو کر دنیا و عقبیٰ کی سرخروئی حاصل کر چکے، مگر یہ گنہگار اور سہل انگار اپنی باری کا منتظر ہے۔ مِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ۔ لعل اللّٰہ یرزقنی صلاحاً۔ وما ذالك على الله بعزيز۔

ے ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوانِ عشق
او بہ صحرا رفت و ما در کوچہ ہا رسوا شدیم

علامہ کی خطابت

تبلیغ و خطابت کے دوائر میں علامہ شہید اپنے عہد کے بہت بڑے دل نشین مبلغ بہت بڑے شعلہ باز مقرر اور بڑے بے باک خطیب تھے۔ فصاحت و بلاغت، روانی و سلاست، دلائل و براہین سے آراستہ ان کی ہزار ہا مذہبی تقریروں اور سیاسی خطابات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ آپ فنِ خطابت میں بلا شبہ یکتائے روزگار تھے۔ جب وہ خطاب کے لیے ڈائس پر تشریف لاتے تو اپنی عقابی آنکھوں سے مجمع پر ایک نظر ڈالتے اور لاکھوں سامعین کی نفسیات کو اپنی گرفت میں لے کر تقریر کا آغاز کرتے۔ بس پھر سامعین کے دلوں کی دھڑکن بن کر ایسا گرجتے اور برستے کہ سامعین یوں محسوس کرتے کہ قرآنی آیات اور احادیثِ رسول ؐ کے چاند تارے جھلملا رہے ہیں، دلائلِ قاہرہ اور براہین ساطعہ کی برکھا برس رہی ہے اور فصاحت و بلاغت کی پریاں اتر رہی ہیں۔ جوش میں آتے تو مخالفین کے خرمن پر برقِ تپاں بن کر برستے جاتے ــــ اور دورانِ خطاب حکمرانوں کی طرف پلٹتے تو ان کی للکار اور یلغار سے قصرِ شاہی لرزنے اور کانپنے لگ جاتے۔ وہ ایسے قادر الکلام اور بذلہ سنج تھے کہ ایک جملہ بول کر لاکھوں سامعین کی ہچکیاں بندھا دیتے اور دوسرے جملے کے ساتھ مجمع کو گلِ خنداں بنا دیتے۔ رفیقِ محترم جناب حافظ صلاح الدین یوسف کے مطابق:

فنِ خطابت میں وہ یگانہ اور یکتا تھے ان کا پرزور لہجہ اور زورِ تکلم ع
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفاں

کا مصداق تھا۔ ان کی تقریر قوت استدلال کا شاہکار بھی ہوتی اور خطابت کے طنطنوں اور ہمہموں سے بھرپور بھی۔ اس میں آبشار کی سی روانی بھی ہوتی اور سمندر کا سا جوش و طغیان بھی۔ اس میں محبوب کی سی دل آویزی و طرب ناکی بھی تھی اور بادلوں کی سی گھن گرج بھی۔ اس میں پھولوں کی سی لطافت بھی تھی اور برقِ خاطف کی عشر سامانیاں بھی۔ وہ بولتے تو سامعین "کَاَنَّ عَلٰی رُؤسِہِمُ الطَّیْر" کی صورت اختیار کر لیتے ــــ اس طرح سناٹا چھا جاتا گویا رفتارِ کائنات رک گئی ہے، وقت جامد و ساکت ہو گیا ہے ــــ اور وحوش وطیوران کی سامعہ نوازی سے مسحور و مبہوت ہیں۔

- مسلک اہلِ حدیث کی توضیح وتشریح پران کی تقریر بڑی مدلل، دلنشین اور مؤثر ہوتی۔
- شیعہ ازم پران کا خطاب نہایت پرزور اور ان کی کتابوں کے حوالوں سے مزین ہوتا۔
- سیرتِ رسول پران کی گفتگو بڑی دل بہار ہوتی ــــ سیرت کے روشن نقوش دماغوں پر مرتسم ہو جاتے۔ سیرت کی حسین یادوں سے دلوں کا چمن مہک اٹھتا اور اتباعِ سنّت کا جذبہ رگوں میں خون کی طرح دوڑتا اور گردش کرتا محسوس ہوتا۔

فضائلِ صحابہؓ بھی ان کا دل پسند موضوع تھا۔ اور مصائبِ صحابہ پر جب بولتے تو ہر آنکھ سے اشک رواں ہو جاتے۔ ہر دل تڑپ اٹھتا اور بے اختیار زبانوں پر "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" کا جملہ جاری ہو جاتا! سیاست پر بھی خوب تقریر کرتے، حکمرانوں کے خوب لتے لیتے تھے۔ انہیں للکارتے۔ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہایت جرأت و بے باکی سے گفتگو کرتے۔ اور سیاسی اسٹیج پر بقول اقبال ؎

پلٹنا۔ جھپٹنا۔ جھپٹ کر پلٹنا ــ لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ

کے فن کا خوب مظاہرہ کرتے۔ تقریباً یہی انداز اور لب ولہجہ ان کا حریفانہ بذلہ سنجیوں میں ہوتا۔ تاہم مطائبات کی پھلجھڑیاں چھوڑ کر محفل کو زعفران زار بھی بنائے رکھتے۔ اپنے سیاسی۔ مذہبی اور تنظیمی مخالفین کے ذکر پر بالعموم عربی کا یہ شعر پڑھتے۔

؎ انا صخرۃ الوادی اذا مازُحِمْتُ
واذا نطقت فانی الجوزاء

اپنے اکابر واسلاف کی خدمات کا جب تذکرہ کرتے، تو اس کے بعد عربی کا یہ شعر پڑھتے۔

ے أُولٰئِكَ اٰبائِیْ فَجِئْنِیْ بِمِثْلِهِمْ
إذا جَمَعَتْنَا یَا جریرُ المجامِعُ

ان کی موت سے عروسِ خطابت کا حسن کجلا گیا ہے۔ فصاحت و بلاغت کا جوش فرو ہو گیا ہے۔

میدانِ صحافت میں

مولانا اسماعیل سلفی المتوفیٰ ۱۳۸۷ھ اور مسجد چینیانوالی کے سیکرٹری جنرل شیخ محمد اشرف المتوفیٰ ۱۹۸۱ء کی مہمیز اور راہنمائی میں ۸ ستمبر ۱۹۶۷ء کو ہفت روزہ "الاعتصام" کے ایڈیٹر مقرر ہوئے اور پورے دو سال کے بعد جولائی ۱۹۶۹ء میں "الاعتصام" سے علیحدہ ہو گئے۔ اس سال مرکزی جمعیت اہل حدیث نے ہفت روزہ "اہل حدیث" کا ڈیکلریشن حاصل کر کے اس کی ادارت آپ کے سپرد کر دی۔ بعد ازاں میاں فضل حق سے اختلاف ہو جانے کی وجہ سے مستعفی ہو گئے۔ اور شیخ محمد اشرف مرحوم کے ماہنامہ "ترجمان الحدیث" کو اپنی ادارت اور تحویل میں لے لیا۔

چنانچہ تادمِ شہادت اس کے مدیرِ مسئول رہے۔ ان رسالوں میں آپ کے ادارتی رشحات اور دیگر بے شمار علمی، تحقیقی، اصلاحی اور تنقیدی مقالات۔ ان کے فکر و نظر کی اصابت علمی جلالت، مطالعہ کی وسعت، سیاسی بصیرت، مسلکی غیرت اور فرقِ باطلہ کے علمِ کلام پر کڑی گرفت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

سیاست کے خارزار میں

اہل حدیث کارکن اپنی فکر اور اپنے مسلکی مزاج کے مطابق دین اور سیاست میں تفریق کا کبھی قائل نہیں رہا۔ یہ توجیح کی کارستانی ہے۔ قرآن میں دین بھی ہے اور سیاست بھی۔ اس لئے دین اور سیاست کا باہم چولی دامن کا سا تعلق ہے۔ سیاست میں برتری حاصل کئے بغیر صحیح اسلامی حکومت قائم کی جا سکتی ہے اور نہ فریضہ "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" کے تقاضے پورے ہو سکتے ہیں۔ اس حقیقتِ واقعیہ کے پیشِ نظر اہل حدیث اسلاف، مجددِ مائۃ سابعہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ المتوفیٰ ۷۲۸ھ شاہ اسماعیل شہید المتوفیٰ ۱۲۴۶ھ

مولانا ولایت علی صادقپوری المتوفیٰ ۱۲۶۹ھ ، غازی عنایت علی المتوفیٰ ۱۲۷۴ھ ، مولانا احمداللہ المتوفیٰ ۱۲۸۳ھ ، مولانا یحییٰ علی المتوفیٰ ۱۲۸۴ھ ، مولانا محمد جعفر تھانیسری المتوفیٰ ۱۹۰۵ء مولانا عبدالرحیم المتوفیٰ ——— مولانا محمد ابراہیم آروی المتوفیٰ ۱۳۱۹ھ ، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی المتوفیٰ ۱۳۳۸ھ ، بطلِ حریت سید داؤد غزنوی المتوفیٰ ۱۳۸۲ھ اور مولانا اسماعیل سلفی المتوفیٰ ۱۳۸۷ھ وغیرھم ایسے صاحبان عزیمت اور باہمت علماء اہل حدیث کو ملت کی پاسبانی کے لیے سیاست کی پُرخار وادی میں اس وقت آبلہ پائی کرنی پڑی ، جب دوسرے ابناءِ اسلام اپنے ملی فرائض سے آنکھیں موند کر چنگیزی اور انگریزی سامراج کی دست برد سے بچنے کے لیے عزلت نشینی اور گوشہ گزینی میں عافیت کے خراٹے لے رہے تھے ۔

ے کون آبلہ پا وادئ پرخار سے گزرا ؟
کانٹوں سے مہک آتی ہے یہ کس کے لہو کی ؟

علامہ شہیدؒ نے اس وقت سیاست کے خارزار میں زقند لگائی ، جب جنرل یحییٰ کی عسکری اور سیاسی غلطیوں حماقتوں کی وجہ سے پاکستان دولخت ہو چکا تھا۔ اور پھر بھٹو حکومت کی اسلام گریز پالیسیوں کی وجہ سے رہے سہے پاکستان کی نظریاتی سرحدوں پر سوشلزم کی تاریک گھٹا چھا رہی تھی۔ علامہؒ ان نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کے جذبے سے میدانِ سیاست میں اترے ، مگر اس تسلسل کے ساتھ ، کہ نہ تو "دعوۃ الی اللہ" میں کوئی فترت آنے دی اور نہ صحافت اور مقالہ نویسی میں کوئی غائب پڑنے دیا نہ ہی فرقِ باطلہ پر جاری کام میں کوئی رکاوٹ در آنے دی! خداداد ذکاوت وفطانت ، فطری تررف نگاہی اور طبعی سیاسی بصیرت کی بدولت چھوٹی عمر میں ہی ایسے کلے ٹھلے کے قومی قائد بن کر ابھرے اور سیاسی پلیٹ فارم پر ان کی ایسی اجارہ داری قائم ہوگئی کہ نواب زادہ نصراللہ خاں ، میاں طفیل محمد ، مفتی محمود اور خواجہ خیر دین جیسے پرانے لیڈر اپنی اسٹیجوں پر انہیں دعوت دینے پر مجبور ہو گئے ——— کلمہ حق کہنے پر آئے تو نہ جنرل ایوب کا رعب داب آڑے آسکا ، نہ ذوالفقار بھٹو اور کھر کی سخت گیری سے دبے اور نہ جنرل ضیاء الحق کو پلے باندھا۔ جو کہنا ہوتا تھا ، بفحوائے "لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ" بے خوف کہہ دیتے تھے اور وہ بھی ڈنکے کی چوٹ کہتے تھے۔

ے ہم چھاؤں میں تلواروں کے کہہ آتے تھے حق
پیش آتا نہ تھا خوفِ سلطان و امیر

شروع میں آپ کسی سیاسی جماعت میں شامل نہیں تھے۔ بلکہ ایک آزاد سیاستدان تھے۔ مگر جب کلمہ حق کہنے سے رکنے کے لئے کھر حکومت نے آپ پر متعدد جھوٹے مقدمات قائم کر دیئے۔ اور پھر قتل کے ایک جھوٹے مقدمہ میں میانچنوں سے گرفتار کر لیا، تو با مر مجبوری تحریکِ استقلال میں شامل ہو گئے۔ بعدازاں اپنی سیاسی قابلیت کی وجہ سے اس جماعت کے سیکرٹری نشر و اشاعت بنا دیے گئے۔

جب مئی ۱۹۷۴ء میں خود قادیانیوں کی شرارت کی وجہ سے ان کے خلافِ تحریکِ ختم نبوت شروع ہوئی، تو جماعتِ اہلِ حدیث نے ان کی قیادت میں دوسری مذہبی جماعتوں کے دوش بدوش کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ راقم کی طرح سینکڑوں اہل حدیث علماء کو ۱۶ ایم پی او کے تحت سنّت یوسفی کی سعادت حاصل ہوئی۔ علامہ شہیدؒ اور شورش مرحوم کی للکار اور یلغار سے جھوٹی نبوت کے ایوانوں میں دراڑیں پڑنے لگیں اور بھٹو حکومت کو عوامی دباؤ کے تحت لاہوری اور ربوی قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینا پڑا۔ بھٹو حکومت کا یہ فیصلہ بڑا مستحسن اور قابلِ ذکر ہے " و کان الامر قدرا مقدورا " تحریکِ ختم نبوت کی کامیابی کے بعد جب مارچ ۱۹۷۷ء کے عام انتخابات میں بھٹو حکومت کی انتخابی دھاندلیوں پر نو جماعتی محاذ نے صدائے احتجاج بلند کی۔ اور بعدازاں اس سیاسی احتجاج نے تحریکِ نظامِ مصطفےٰ کی شکل اختیار کر لی۔ اس میں علامہ شہیدؒ نے جو کارہائے نمایاں کیئے اور جراتِ رندانہ کا ایمان پرور مظاہرہ کیا تھا، وہ نہ صرف اہل وطن کے علم میں ہے، بلکہ بی بی سی کے پروگراموں میں علامہ مرحوم کی مسجد شہداء کی تقریریں خود ان کی آواز میں ان کی تصویر کے ساتھ نشر ہوتی رہی ہیں۔ جن کی گھن گرج کی وجہ سے بھٹو حکومت سٹ پٹا کر رہ گئی۔ دوسری دینی اور سیاسی جماعتوں کے دوش بدوش آپ کی قیادت میں ہزارہا اہل حدیث کارکنوں پر مقدمات قائم ہوئے۔ راقم السطور کو بھی ۵۹ آرمی ایکٹ اور ۹۰ ڈی پی آر کے تحت فوجی مقدمہ قائم کر کے ہربنس چھاؤنی میں محبوس رکھا گیا۔

جمعیت اہل حدیث پاکستان کی تشکیل

جب ضیاء الحق کی مارشل لاء کے سایہ میں متحدہ محاذ کے نو ستاروں میں سے بعض ستارے ہوسِ اقتدار کی دھند سے دھندلا گئے۔ تو آپ مایوس ہو کر تحریک استقلال

سے مستعفی ہو گئے اور اپنے آپ کو مسلک اہل حدیث (جو دراصل خالص اور بے آمیز اسلام کا دوسرا نام ہے) کی نشر و اشاعت کے لیے وقف کر دیا۔ اور مرکزی جمعیت اہل حدیث، جو حضرت اسمٰعیل سلفیؒ کے ساتھ ہی سو گئی تھی، اس کے تنِ مردہ میں پھر تحریکی روح پھونکنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس کے اجارہ داروں کو ان کی ملی اور جماعتی ذمہ داریوں کا احساس دلایا۔ مگر جب اصلاح کی تمام پُرخلوص کوششیں بار آور نہ ہوئیں تو مجبور ہو کر خود اراکینِ شوریٰ، علماء و خطباء اور احباب جماعت کے ساتھ مشوروں کے بعد مارشل لاء کا بہانہ پیش کرنے والوں کے سامنے اسی مارشل لاء کے عین عالم شباب میں غالباً ۱۹۸۲ء میں جمعیت اہلحدیث پاکستان قائم کر کے اپنی جماعتی اور سیاسی ترکتازیوں کا آغاز کر دیا۔ اپنی خطیبانہ مہارت اور سیاسی بصیرت کو روبعمل لا کر اس کم عمر تنظیم کے پلیٹ فارم میں ایسی جاذبیت اور اتنی دلکشی پیدا کر دی کہ ایک طرف عام جید علماء، خطباء، دانش ور اور اہلحدیث نوجوان اس کے اسٹیج پر بیٹھے نظر آنے لگے، تو دوسری طرف علامہ شہیدؒ کی سیاسی للکار اور انقلابی یلغار نے ملک کی سیاسی فضاء میں خوشگوار حرکت کی چکاچوند پیدا کر دی۔ پھر ۱۸ اپریل ۱۹۸۶ء کو انہوں نے موچی دروازہ لاہور میں اپنا پہلا سیاسی جلسہ منعقد کیا۔ جو رفیق باجوہ ایسے سیاسی مبصروں کے مطابق جماعتی لحاظ سے اہل حدیث کا پہلا اور قومی سطح پر تیسرا بڑا کامیاب جلسہ تھا۔ جس کی صدائے بازگشت پنجاب کے میدانوں، بلوچستان کے کہساروں، سرحد کے علاقوں اور سندھ کی وادیوں میں برابر سنی گئی۔ اور جس کے نتیجہ میں کراچی سے لے کر پشاور تک پھیلے ہوئے اہل حدیثوں میں ملکی جوش و خروش اور جماعتی جذبہ پھر سے انگڑائیاں لینے لگ گیا۔ چنانچہ ہر طرف سے یہ ایمان پرور صدا آنے لگی۔

وہ دعوتِ جنوں جو زمانہ سے اٹھ گئی
اس دعوتِ جنوں کو سنبھالے ہوئے ہیں ہم

پھر اس کامیاب جلسہ عام کے بعد ۲۳ مارچ ۱۹۸۷ء کی خون آشام رات تک ملک کے مختلف شہروں میں گیارہ عظیم الشان سیاسی اور جماعتی جلسے کیے۔ اور سینکڑوں انٹرویوز نشر ہوئے مگر افسوس یہ قافلہ اپنی منزل کی طرف رواں اور اپنے ہدف کی طرف رواں ہی تھا کہ حاسدوں کی سازش کے نتیجہ میں دستِ اجل کی ایک ہی شوخی نے اس نابغہ روزگار شخصیت کو ہمیشہ کے لیے جماعت اہلحدیث سے چھین لیا۔

؎ ذرے اڑ گئے ہم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیئے
ڈھونڈا تھا آسمان نے جنہیں خاک چھان کر

سیرت و کردار

واقفانِ حال جانتے ہیں کہ میں نے اپنی طویل رفاقت میں علامہ کی کبھی مدح سرائی اور خوشامد نہیں کی، بلکہ ان کے بعض افکار و مسائل پر ان کے رد در رد اور علی رؤس الاشہاد تنقید کر چکا ہوں۔ جیسا کہ مسجد چینیانوالی کی انتظامیہ، نمازی اور ان کے اپنے ماہنامہ "ترجمان الحدیث" کے صفحات میری ان جسارتوں کے گواہ آج بھی موجود ہیں۔ میں نے ان کا عالمِ شباب اور ایام عسرت بھی دیکھے ہیں، پھر ان کی پختہ کاری اور ایامِ یُسرت بھی میرے علم میں ہیں۔ مرکزی جمعیت کے اجارہ داروں کا پیدا کردہ تحریکی تعطل، انتخابی انحراف اور ملک کے معروضی حالات کے پیشِ نظر علامہ کی جماعتی اور سیاسی مجبوریاں بھی میرے سامنے ہیں۔ ان کے بارے میں سیاسی منافرت، جماعتی رقابت اور مذہبی فرقہ واریت کی کوکھ سے جنم لینے والی بہتان بازیاں۔ الزام تراشیاں اور دشنام طرازیاں بھی میرے حافظہ میں محفوظ ہیں۔ اور یہ بھی درست ہے کہ وہ معصوم اور محفوظ نہ ہونے کی وجہ سے انسانی کمزوریوں کی زد میں تھے۔

مَنْ ذَا الَّذِی مَا سَاءَ قَطُّ وَ مَنْ لَهُ الحُسْنیٰ فقط جہاں مجھے لاہور میں علامہ مرحوم کے مدرسہ میں پندرہ برس حدیث پڑھانے کا موقعہ میسر آیا ہے، وہاں مجھے ان کے حریفوں سے بھی ملاقاتوں کا موقعہ ملتا رہا ہے۔ لہٰذا جہاں تک میرے مشاہدہ اور میری معلومات کا تعلق ہے، میں نے مرحوم کو ان کے حریفوں کے مقابلہ میں زیادہ محتاط پایا ہے۔ میرے نزدیک وہ بلاشبہ اس قحطِ رجال کے زمانہ میں اعلیٰ اقدار کے حامل اور اہلحدیث قافلہ کے حدی خوان تھے۔ ہمت اور عزیمت میں اپنی مثال نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ جب وہ تنگدستی اور وسائل کے نہ ہونے کی وجہ سے چینیانوالی سے ایبک روڈ تک پیدل جایا کرتے تھے، میں نے ان دنوں کچھ گوشت ان کے گھر بھیج دیا کہ طلبہ کی ضرورت سے زیادہ تھا۔ چند منٹوں کے بعد وہ سیر ڈیڑھ سیر گوشت اس ہدایت کے ساتھ واپس کر دیا کہ آئندہ صدقہ کا گوشت ہمارے گھر نہیں آنا چاہیئے۔

طغرائے امتیاز

اخلاص اور بے لوثی کا یہ عالم رہا کہ آپ نے اپنی بے پناہ قوتِ گفتار اور بے مثال خطابت کو اپنی تنگ دستی کے ایام میں بھی ذریعہ معاش نہیں بنایا۔ اور تادمِ شہادت اپنی کسی تقریر کی فیس وصول نہیں کی۔ دین کی سربلندی، اسلام کی نشاۃِ ثانیہ، اتحادِ عالمِ اسلام اور مسلکِ اہلحدیث کی آبیاری ایسے اعلیٰ اور پاکیزہ مقاصد کے حصول کے لیے اپنے آپ کو مدت العمر لوجہ اللہ وقف کئے رہے۔ جب کوئی آدمی کامیاب سیاسی لیڈر بن جائے۔ اور اس کے تعلقات ہر مکتبہ فکر کے علماء زعماء سے استوار ہو جائیں تو عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ وہ نہ صرف مصلحت اور مداہنت کا شکار ہو جاتا ہے، بلکہ وہ مسلکی حمیت اور عصبیت کو تنگ نظری قرار دیتے ہوئے حلقہ احباب کا رنگ قبول کر لیتا ہے۔ مگر علامہ مرحوم کا یہ طغرائے امتیاز رہا ہے کہ وہ اپنے وسیع تر تعلقات اور کامیاب لیڈری کے باوجود فکرِ اہلحدیث کے نقیب اور پاسبان بن کر رہا کئے۔ اور اسی اعلیٰ مقام کی طرف اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک لوگوں کو دعوت دیتے رہے۔ وسیع تر تعلقات اور سیاسی قیادت کے منصب رفیع پر فائز ہونے ہوئے بھی ان کی مسلکی حمیت میں نہ ذرا سی کمی آئی اور نہ مسلک کی حقانیت پر ان کا یقین کبھی تزلزل سے آشنا ہوا۔ مسلک کی عصبیت وحمیت میں ایک مضبوط چٹان اور اس کی حمایت و مدافعت میں ہر محاذ پر سینہ تان کر ڈٹے رہے۔

غرضیکہ مرحوم اول آخر اہل حدیث تھے۔ وہ پیدا ہوئے تو سیالکوٹ کے مشہور اہلحدیث خاندان میں پیدا ہوئے۔ پڑھا تو امام الوقت محدث گوندی رحمہ اللہ ایسے جید علماء اہلحدیث سے پڑھا۔ بیاہے گئے تو شیخ العرب والعجم حضرت گوندلوی موصوف کے گھر بیاہے گئے، خطابت کا آغاز کیا تو چینیانوالی ایسی تاریخی اہلحدیث مسجد کے منبر سے کیا۔ کسی سٹیج پر گئے تو اہلحدیث فکر کی تبلیغ کا موقعہ ضائع نہ ہونے دیا۔ کسی سیاسی مجلس میں شریک ہوئے تو اہلحدیث بن کر شریک ہوئے۔ اپنی سٹیج ہو یا دیوبندیوں کی، بریلویوں کی ہو، شیعہ کی، سیاسی گراؤنڈ ہو یا کسی بڑے ہوٹل کا لان، ملک میں ہو یا بیرونِ ملک انہوں نے اہلحدیث کا علم نیچا نہیں ہونے دیا۔ عالمِ اسلام کے دورے پر گئے تو اہلحدیث قائد کی حیثیت میں گئے۔ امریکہ، برطانیہ اور کینیڈا گئے تو اہلحدیث فکر کی اشاعت کو ساتھ لے کر گئے۔ اقصائے

افریقہ تک پہنچے تو اہل حدیث فکر کا امین بن کر پہنچے۔ ملائشیا اور انڈونیشیا کے جزائر تک پہنچے تو اہلحدیث کا پاسبان اور منا د بن کر پہنچے۔ وہ جہاں گئے اہل حدیث ہی کی حیثیت میں گئے۔ زندہ رہے تو مسلک اہلحدیث کا نقیب اور تحفظ ناموس رسول ؐ کا پاسبان اور ناموس صحابہؓ کا بے باک سپاہی بن کر زندہ رہے۔ زخمی ہوتے تو مسلک اہلحدیث کا پرچار کرتے ہوئے سیرت النبیؐ کے جلسہ کی اسٹیج پر ہوئے۔ واصل بحق ہوئے تو وہابیوں کے دارالخلافہ ریاض کے ہسپتال میں ہوئے آخری نماز جنازہ پڑھائی تو عصر حاضر کے سب سے بڑے سلفی العقیدہ، عالم دین فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز حفظہ اللہ نے پڑھائی۔ مدفن نصیب ہوا تو دیار حبیبؐ میں، مرقد ملا تو جنت البقیع میں جہاں یاران نبیؐ آسودہ خواب ہیں جوار ملا تو امام دارالہجرت امام مالک بن انس رحمہ اللہ کا۔ لاہور سے براستہ ریاض مدینۃ الرسولؐ کے فاصلوں کا یوں سکڑنا، دوریوں کا یوں قربتوں میں تبدیل ہونا کیا اس حقیقت کا اعتراف کرلینے کے لیے کافی نہیں کہ

ع پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

اللہ رے یہ نصیب ؎

یہ جلنا جلانا کھیل سہی، یہ کھیل مگر آسان نہیں
کچھ کچھ ملی تھی شعلوں کو، کچھ آگ بٹی پروانوں میں

مختصر یہ کہ حضرت علامہ شہید سلفی العقیدہ۔ اہل حدیث گھر پیکر علم و عمل۔ اہلحدیث علماء وطلبہ، پریشان اہلحدیث بھائیوں، بے سہارا بیوگان اور یتیم لڑکیوں اور لڑکوں کے مونس وغم خوار قافلہ اہلحدیث کے حدی خوان اور خالص توحید و سنت کے پاسبان تھے۔ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت ہمارے فتویٰ کی پابند ہے اور نہ نمائشی زہد و تقویٰ کی رہین استحقاق اور عدم استحقاق کا فیصلہ اللہ علیم و خبیر ہی فرمائے گا ؎

إِذَا اشْتَبَكَتْ دُمُوعٌ فِي خُدُودٍ
تَبَيَّنَ مَنْ بَكَىٰ مِمَّنْ تَبَاكَىٰ

تصنیفات

ہفت روزہ الاعتصام۔ ہفت روزہ اہلحدیث، مجلۃ الجامعۃ الاسلامیۃ بالمدینۃ المنورۃ، میں ادارتی رشحات اور دوسرے بے شمار علمی، تحقیقی، تنقیدی اور اصلاحی مقالات کے علاوہ

آپ کے قلمِ حقیقت رقم سے فِرق وادیان کے مواضیع پر اردو میں (۱) مرزائیت اور اسلام فارسی میں (۲) شیعیت وسنت، عربی میں (۳) القادیانیۃ (۴) البابیۃ (۵) البھائیۃ (۶) الاسماعیلیۃ (۷) الشیعۃ والسنۃ (۸) الشیعۃ والقرآن (۹) الشیعۃ واھل البیت (۱۰) الشیعۃ والتشیع (۱۱) التصوف اور (۱۲) البریلویۃ وغیرہ آپ کی علمی یادگاریں اور باقیاتِ صالحات ہیں۔ ان کی یہ کتابیں متعدد بار چھپیں اور کئی کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ ان کتابوں کو اتنا قبولِ عام حاصل ہوا کہ آپ کی بعض کتابیں عالمِ اسلام کی بعض یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل ہیں۔ اور بعض کتابیں پاکستان کی بعض یونیورسٹیوں کے نصاب کا حصہ بن چکی ہیں بعض کتابوں کے انگریزی انڈونیشی اور دوسری زبانوں میں ترجمے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ ان کے علاوہ مرحوم شہید، اہلحدیثوں اور دیوبندیوں پر بھی لکھنے کی تیاری میں تھے، مگر دائے دریغا کہ

ع آن قدح بشکست وآں ساقی نہ ماند

رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ !

شہادت

قلعہ لچھمن سنگھ کے المناک ترین اور خونچکاں دھماکہ کے نتیجہ میں نوجوان اہلحدیث لیڈر اور صدر اہلحدیث یوتھ فورس پاکستان محمد خان نجیب، تاریخ اہل حدیث کے سکالر اور بالغ نظر عالمِ دین مولانا عبدالخالق قدوسی تو اسی رات میو ہسپتال میں جامِ شہادت نوش کر گئے تھے۔ اور شہبازِ خطابت مولانا حبیب الرحمان یزدانی موت وحیات کی کش مکش کے بعد ۲۴ مارچ کی عصر کے وقت شہادت کی خلعتِ فاخرہ پہن کر اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے تھے۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اسی حادثہ فاجعہ میں علامہ صاحب کی بائیں ٹانگ اور دایاں بازو شدید زخمی ہوئے تھے۔ اگرچہ یہ زخم کاری نہ تھے، تاہم ان کے صبر وضبط اور عزم وحوصلہ کو دیکھ کر یہ امید بندھ گئی تھی کہ آپ ان شاء اللہ تعالیٰ صحت یاب ہو جائیں گے۔ پاکستان اور عالمِ اسلام بلکہ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ان کے لاکھوں، کروڑوں مداحین، عقیدتمندوں اور سلفی العقیدہ مسلمانوں

کی دعائیں بھی یہی تھیں کہ وہ صحت یاب ہو کر نئے ولولوں اور ہمہموں کے ساتھ قافلہ حق کی سالاری کاروانِ ملت کی حدی خوانی، فکرِ اہلحدیث کی پاسبانی اور کمیونزم، سوشلزم اور دوسرے باطل ازموں کی بخیہ دری کا فریضہ اسی بے باکی اور بے خوفی کے ساتھ ادا کریں گے، جس میں وہ اپنے اقران واماثل میں یکتا وممتاز سمجھے جاتے تھے ۔ آپ میو ہسپتال میں زیرِ علاج تھے، کہ سعودی عرب کے فرمانروا شاہ فہد حفظہٗ اللہ اور عراق کے صدر صدام حسین کی طرف سے علاج کی پیش کشیں ہوئیں۔ شاہ فہد نے تو ساتھ ہی خصوصی طیارہ بھی روانہ کر دیا۔ علامہ صاحب غالباً ۲۹ مارچ کو ریاض تشریف لے گئے ۔ وہاں پہنچ کر علاج بھی شروع ہو گیا۔ مگر "ماشاء اللہ کَانَ وَمَا لَمْ یَشَأْ لَمْ یَکُنْ" کا ازلی قانون نافذ ہو کر رہا۔ یعنی مشیتِ الٰہی ان تمام اندازوں اور امیدوں پر، تقدیر تدبیر پر اور حکمتِ الٰہی لاکھوں کروڑوں کی دعاؤں پر غالب رہی ۔ اور ۳۰ مارچ ۱۹۸۷ء کی صبح کو ملت کے مقدر کا یہ روشن ستارہ، اسلام کا بے باک سپاہی قافلۂ حق کا سالار، کتاب وسنّت کا علمبردار، کاروانِ توحید کا حدی خوان اور اہلحدیثوں کا نقیب ریاض (سعودی عرب) کے ہسپتال میں انتقال فرما گیا۔ انّا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللّٰھم اغفرلہ وارحمہ وعافہٖ واعف عنہ وادخلہُ جنۃ الفردوس آمین

ہرگز نہ میرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق — ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

وماکنتُ احسَبُ قبل دَفنِکَ فِی الثریٰ
ان الکواکب فِی التراب تَغُورُ
وَمَاکنتُ امَلُ قَبلَ نَعشِکَ اَنْ اریٰ
رضویٰ علیٰ ایدِی الرجالِ تَسِیرُ
خَرجُوابِہٖ و لکل باكٍ خَولَہٗ
صَعَقاتُ موسیٰ یومَ دُكَّ طُورُ